سوال

(48)قربانی سے متعلق مزید سوالات

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

1۔قربانی سب گھروالوں کی طرف سے ہوجاتی ہے۔یاصرف کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے۔؟

2۔قربانی فرض ہے یاسنت؟

3۔کیاقربانی اپنے ہی ہاتھ سے ہوسکتی ہے۔دوسرے کے زریعے نہیں؟

4۔بقرعید کوعیدالاضحیٰ کیوں کہتے ہیں۔؟اوراس کا صحیح تلفظ کیا ہے۔؟

5۔حاجی عام طورپرزمزم۔مٹی۔کھجوریں۔اورغلاف کعبہ کے ٹکڑے بطور تبرک لاتے ہیں۔شرعاکیا حکم ہے۔؟

6۔کہتے ہیں حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ دنبہ یابینڈھا رکھدیاگیا ہے۔کیایہ صحیح ہے۔؟

7۔اہل حدیث اوراہل ہویٰ لوگوں کی قربانی کاکیا حکم ہے۔؟

جوابات مدلل ہوں۔(محمدسعید۔ریاستی۔کراچی شہر)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

سب گھروالوں کی طرف سے ہوجاتی ہے۔وہ بکراچھترا ہویااونٹ اورگائے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔کہ ہمارا یہی دستوراور تعامل ہے۔کہ ایک شخص اپنے اوراپنے گھروالوں کی طرف سے بکری بکرے کی قربانی دیا کرتا تھا۔بعد میں فخر ومباہات کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا۔توایک ایک کی طرف سے دینے لگ گئے۔

كنا نضحي بالشاة الواحدة يذبحها الرجل عنه وعن اهل بيته ثم فباهى الناس بعد ذلك فصارت مباهاة (موطا محمد ص216 وغیرہ عن عطاء)

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد کی بات ہے۔دوسری روایات میں اس کی تصریح آگئی ہے۔

عن عطاء بن یسار قال سالت اا ایوب النصاري کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کانا لرجل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یضحی با لشاة عنه و عن اہل بیت الحدیث اخرجه ابن ماجه ص224 والترمذي وصححه

حضرت عبداللہ ابن ہشام فرماتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی بکری اپنے سب گھر والوں کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے۔

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یضحی بالشاة الواحدة عن جمیع اہله رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد

احناف کے نزدیک ایک بکرا چھترا سب گھر والوں کیلیۓ کافی نہیں ہوتا۔ (ہدایہ ص424 جلد4)

امام ابن رشد فرماتے ہیں۔کہ یہ بطور کراہت کہتے ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ قربانی سب کی طرف سے ہوتی ہی نہیں۔

خالفه فی ذلک ابوحنیفة والثوري علی وجه الکراہة لا علی وجه عدم الاجزاء ہدایة المجتهد (جلد2 ص434)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ کراہت کے ساتھ لیکن کہ ایک گھر کی قربانی سب کی طرف سے حنفیہ کے نزدیک بھی ہو جائے گی۔دلیل میں وہ قیاس پیش فرماتے ہیں۔

والقیاس ان لا تجوز الا من واحد لان الاربعة لان الواقعة واحدة وہی القوبة (ہدایہ ص222 جلد4)

لیکن یہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔لہذا اما دان کا قیاس موع کوئی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس ک علاوہ انہوں نے حسب عادة احادیث کی تاویلیں کر ڈالی ہیں جو سرف تاویلیں ہیں دلائل نہیں ہیں۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ۔رسول اللہ ﷺ کا یہی اسوہ حسنہ ایک بکری ایک شخص اوراس کے اہل بیت کےلئے کافی سمجھی جاتی تھی۔

وکان ہدیة رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الشاة تجزي عن الرجل و عن اہل بینه ولو کثر عددہم (زادلمعاد فصل ہدیہ ان یضحی بالمصلی ج2 ص341)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ (حدیث)

تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم

اس امر کی دلیل ہے کہ ایک بکری آدمی اوراس کے گھر والوں کیلیے کافی ہوجاتی ہے۔خواہ وہ کثیری ہوں۔

دلیل علی ان الشاة الواحدة تجزي عن الرجل واہله وان کثروا (وار تحفة الاحوذی ص358 ج2)

امام شوکانی فرماتے ہیں۔حق یہ ہے کہ گھر کے افراد سو سے بھی زیادہ ہوں تو بھی ایک بکری ان سب کیلیے کافی ہے۔

والحق انها تجزي عن اہل البیت وان کانوا مائة نفس اواکثر (نیل ص120 ج5)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

والاضحیة مسنة من معز عن جزع من ضان فی کل اہل بیت

(حجۃ اللہ البالغہ ص 24 ج 2 باب العیدین)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے برادران احناف اپنے نظریہ کی وجہ سے گھاٹے میں جا رہے ہیں کہ گھر سارا اسی شرف اور فضیلت سے قاصر اور محروم رہے۔؟ مقام حیرت ہے یہاں تک کہ صدقہ فطر میں توگنجائش رکھی گئی تھی۔کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی ''فطرانہ''ادا ف کیا جائے گا۔

ويخرج عن اولاوه الصغار (ہدایہ باب صدقہ الفطر ص 208 ج 1)

لیکن قربانی کے سلسلے میں فتویٰ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی قربانی دینا ضروری نہیں ہے۔

انه لايجب عن ولده وهو ظاهر الرواية (ہدایہ ص 443 جلد 4)

عليه الفتوي كزافي فتاوي قاضي خان (بین السطور ہدایہ ملخصا جلد 4 ص 344)

حضرت ابو سریحہ فرماتے ہیں۔سنت کے معلوم ہوجانے کے بعد مجھے میرے خاندان نے مجھے کم عقلی پر آمادہ کیا۔حالانکہ ایک گھر والے ایک اور دو بکریاں قربانی دیا کرتے تھے۔اب ہمارے پڑوسی ہمیں کنجوس بناتے ہیں۔

حملني اهله علي الجفاء بعد ما علمت من السنة كان اهل البيت يضحون بالشاة والشاتين والان يبخلنا هيرا ننا

(ابن ماجہ ص 234 باب من ضحی بشاۃ عن اھلہ)

غرض اسی قسم کے اعتراض پہلے بھی کیا کرتے تھے۔پر اصحاب الحدیث نے اس طعن و تشنیع کی کبھی پرواہ ن ہیں کی اور نہ کبھی کریں گے،ان شاء اللہ تعالیٰ حجۃ الوادع میں حضورﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے بھی گائے قربانی دی تھی۔امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔کہ یہ حضورﷺ کا آخری عمل ہے۔

هذا في الحجة الوداع وهو اخر عمله عليه السلام (محلی ج 2 ص 438)

جواب نمبر 2

جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے۔واجب نہیں۔حضرت ابو بکر صدیق۔حضرت عمر۔حضرت بلال۔حضرت ابو مسعود بدری۔ رضوان اللہ عنہم اجمعین حضرت سعید بن المسیب۔علقمہ۔اسود۔امام ابو حنیفہ کے شیخ عطاء امام مالک۔امام احمد۔امام ابو یوسف۔امام اسحٰق بن راہویہ۔حضرت ابو ثور۔امام مزنی۔امام ابن المنزر۔امام داؤد۔وظاہری وغیرہ رحہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(نووی شرح صحیح مسلم۔کتاب الاضاحی وباب وقتیھا جلد 2 ص 153)

امام ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق۔حضرت عمر رضوان اللہ عنہم اجمعین کبھی کبھی قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔کہ کہیں لوگ اسے فرض نہ تصور کرلیں۔

بل صح عنهما انهما كان لايضحيان مطلقا احيانا خشية ان يظن وجوبها (درایہ ص 325۔تحفۃ الخودی۔۔۔۔بحوالہ بیہقی)

امام ترمذی فرماتے ہیں۔امامان دین کا اسی پر عمل ہے۔کہ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔اور یہی قول ہے امام ثوری اور امام ابن المبارک کا

والعمل على ہذا عند اہل العلمان الاضحیۃ لیست بواجبہ ولکنہا سنۃ من سنن النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستحب ان یعمل بہا وہو قول سفیان الثوري وابن المبارک (ترمذی ص 182 ج 1)

حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام اوزاعیؒ امام ربیعہ ابو للیث اور بعض مالکی فرماتے ہیں۔ واجب ہے پر دولت مند پر امام محمدکہتے ہیں۔ جو شہروں میں مقیم ہیں۔ ان پر واجب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دولت مندی کی نشانی اس کا مالک نصاب ہونا ہے۔ (نووی شرح مسلم ص 153 ج 2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ!

کیا قربانی واجب ہے۔؟ تو جواب دیا کہ!حضورﷺ اور مسلمانوں نے قربانی دی۔ پھر اس نے یہی سوال کیا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ کیا عقل ٹھکانے ہے۔؟ حضورﷺ اور مسلمانوں نے قربانی دی تھی۔ (ترمذی ص 350 مع تحفۃ الاحوزی)

مقام عظیمت اور عبدیت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس بحث میں پڑے بغیر قربانی دی جایا کرے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ خدا خوش ہوجائے۔ اور وہ ''تولے'' بغیر سجتا ہے۔

ہاں علمی حدتک اگر آپ اس کی وضاحت ضروری چاہتے ہیں۔ تو ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ نظریہ وجوب احوط ہے۔ عدم وجوب کے دلائل بیان کر کے حضرت امام شوکانیؒ بیان فرماتے ہیں۔ مفید مطلب نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں۔ ہاں ام سلمہ والی روایت اس کےلئے مفید ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تفویض اور تعلیق عدم وجوب پر دال ہوتی ہے۔ (نیل الاوطار ص 95 ج 5)

ہمارے نزدیک ہر تعلیق اور تفویض خیار پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اپنے پس منظر کے تابع ہوتی ہے۔ جیسے

میں ہے۔ اگر زمہ واجب ہے تو تعلیق ''عند التعمیل'' سے متلق ہوگی۔ جیسا کہ یہاں بہر حال جو قربانی دے سکتا ہے وہ ضرور دے۔ جو غیر مستطیع ہے نہیں دے سکتا نہ دے۔ حضورﷺ سے اس کا ترک ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ سنت ابراہیمی ہے۔ تو وہ واجب تھی کیونکہ آپ ماموتھے۔

اے میرے ابا آپ کو جو حکم ہوتا ہے کر ڈالیے۔ (پارہ 23 الصفت ع 3)

ہمیں حکم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو۔ کیونکہ خدا نے اس سنت کو آنے والوں کیلئے بھی باقی رکھا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (پارہ نمبر 3 العمران ع 10)

''تو اس ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو۔ جو سب طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کا ہو رہا تھا۔''

جو طریقہ رب کی طرف سے شروع ہوا س کو ''ملت'' کہا جاتا ہے۔ قربانی حضرت ابراہیمؑ کےلئے مشروع تھی۔ آپ اس کے ماموتھے۔ لہذا وہی طریقہ ہمارےلئے بھی مشروع ہے اور ہم بقدر طاقت اس کی تعمیل کے پابند ہیں۔ ہاں جو نہیں دے سکتے۔ اور غیر مستطیع ہیں۔ وہ مستثنیٰ ہیں۔ لیکن مستطیع اور دے سکنے والے کی نشانی صاحب نصاب ہونا نہیں۔ بلکہ دل اور ہمت کی بات ہے۔ حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق آپﷺ تو کبھی مستطیع (صاحب توفیق۔ صاحب نصاب) نہیں ہوتے تھے۔ لیکن بات دل کی تھی۔ حبیبﷺ کے حضور نذرانہ پش کرنا ہو پھر ''نصاب'' کے پیمانوں کا ہوش بھی رہے۔ یاری نہیں گزارہ ہے۔

جواب نمبر 3

کوئی خاص مجبوری ہو مثلاً ذبح کرنا نہیں آتا آیا حوصلہ نہیں پڑتا اور اناڑی پن کی وجہ سے بکرے چھترے کو تکلیف زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو پھر دوسرے سے بھی ذبح کرایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے ہاتھ کے ساتھ ذبح کیا جائے۔ حضورﷺ نے زیادہ اپنے ہاتھ سے قربانی دی ہے۔ ہاں ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا ہے۔ (رواہ مسلم زبحھا

بیدہ (بخاری)

حضرت خلیل اللہ نے بھی اپنے ہاتھ سے دی تھی۔

قرآن۔ (سورۃ الصفٰت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحب زادیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ (بخاری باب من زبح اضحیہ غیرہ)

معلوم ہوا کہ عورتیں بھی زبح کر سکتی ہیں۔ بلکہ ہو سکے تو اس ''سنت'' کا احیاء ضرور کیا جائے۔ ہاں سلیقہ یا ہمت نہ ہو تو پھر خیر ہے۔

دوسرے کو بھی ساتھ لگا سکتا ہے۔

حبیب ﷺ کے حضور ہدیہ پش کرنا ہو۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے اور خود حاضر ہو کر پش نہ کیا جائے بڑی بے زوقی کی بات ہے۔ ہاں واقعی مجبوری امر دیگر ہے۔

جواب۔ نمبر 4

(نووی ج 2 ص 153) ضحیہ۔ اضحاۃ۔ ضحیہ۔ (التنقیح حاشیہ قدوری ص 228)

اضحٰ اضحاۃ کی جمع ہوئی تو ''عید الاضحیٰ'' کے معنی ہوئے۔

''قربانیوں کی عید'' (کہ اس میں جانوروں کی قربانیاں اللہ کے حضور پش کی جاتی ہیں۔) تو پھر قربانی کا یہ عمل چاشت (ضحیٰ) کے وقت شروع ہوتا ہے۔ (یعنی ایک پہر دن چڑھے۔) شاید یہی وجہ تسمیہ ہے۔

جواب۔ نمبر 5

ماء زمزم۔ (زمزم کا پانی) تتبرک ہے۔ (طیالسی ابواب فضائل الامکنتہ، والازمنتہ ص 203 ج 2)

یہ جبریلؑ امین کا کھودا ہوا کنواں ہے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پلانے کو مہیا کیا گیا تھا۔ (دار قطنی)

غذا بھی ہے اور شفا بھی۔ اسے بطور تبرک لے جانا صحیح ہے۔ (ترمذی)

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ یہ روایت باہر لے جانے کی دلیل ہے۔ (نیل الاوطار ص 75 ج 5)

کھجوریں۔ عجوہ مدینہ منورہ کی خاص کھجوریں ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو شفاء اور تریاق فرمایا ہے۔ (ص 181 ج 2)

لیکن ایک طبعی خاصیت ہے۔ اس حد تک جوان سے اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ باقی رہا تبرک؟ حدیث سے ثابت نہیں۔ جزبات اور خوش فہمی الگ بات ہے۔

مٹی۔ کسی بیمار کے پھوڑا زخم ہوتا تو لعاب مبارک سے انگلی تر کر کے مٹی لگاتے۔ پھر مقام مائوف پر انگلی رکھ کر یوں دعا کرتے تھے۔ (مسلم باب استحاب۔ ص 222 ج 2 بخاری باب رقیۃ النبی ﷺ)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی خاک جو ہماری تھوک ہے۔ ہمارے بیمار کو شفاء ہوگی۔ ہماے رب کے حکم سے۔

آئمہ نے لکھا ہے۔ ارض (زمین) سے مرادروئے زمین ہے فرمایا۔ سرزمین دبنہ کی خاک بھی ہو سکتی ہے۔ (نووی ملخصا)

برکت ہی سہی۔ بہرحال ایک خاص مقصد کی حدتک جو بہر حال مٹی لانے والوں کے سامنے نہیں ہوتا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ زمزم کے پانی کے سوا مٹی اور کنکر غیر لے آنا وہ مناسب نہیں ہے۔ امام ابوالفضل بن عبدان فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کے ٹکڑے لے جانا بھی جائز نہیں۔ اس کا بیچنا اور خریدنا بھی جائز نہیں۔ فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی جو بھی چیز لے جائے گا۔ اس کو واپس کرنا ہوگا۔ امام نوویؒ نے اس کی تایئد کرتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ کہ اسی طرح غیر حرم کی مٹی اور پتھر حرم میں لے جانا بھی جائز نہیں ہے۔ امام ابن الصلاح فرماتے ہیں۔ یہ بات خلیفہ وقت کی صوابدید پر ٹھری ہے تاہم اگر کہنہ ہو کر ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو تو پھر غلاف کعبہ کو کردینے میں کوئی حرج نہیں۔

اصل عبارت یہ ہے۔ (روضۃ الطالبین ص 168 ج 3)

اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کیا بھی جائے تو بطور تبرک نہیں بلکہ اس لئے کہ ضائع نہ ہو کام آجائے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس۔ حضرت عائشہ۔ اورام سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں۔ کہ یہ کپڑا (غلاف کعبہ) جس کو مل جائے وہ جنبی ہو یا حائضہ یا کوئی اور سبھی استعمال کرسکتے ہیں۔

قالوا ویلبھا من صارت الیہ من جنب و حائض و غیرہا (ایضا)

نیز فرمایا! کعبہ کی خوشبو بھی نہیں لانی چاہیے۔ ہاں اپنی خوشبو لے جا کر اس سے ملا کر استعمال کرسکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ھذوی ص 168 ج 3)

گوان چیزوں کو عظیم شعائر اللہ سے ایک نسبت ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ ان کا استحصال کیا جائے۔ جذبات کی بات اور ہے۔ لیکن مسئلہ کی الگ ہے۔ مسئلہ یہی ہے۔ کہ ان کو بطور تبرک گھر میں لاکر اپنے بت خانوں (فضائے حرم کے مخالف فضائوں) میں لاکر بسانا۔ احترام نہیں۔ بے ادبی ہے۔ یا سستی بخشش اور ارزاں خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک عامیانہ اسلوب بہت سے لوگ تو ان کو "دنیا" بنانے کی تمنا لے کر لاتے ہیں۔ گویا کہ وہ شعلہ دین کو دنیا کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ خیال فرمایئے کہ یہ حضرات دین و ایمان کا کس قدر اس طرف کرتے ہیں۔ ؟ حرم کی مٹی کو لا کر حرم کو گھر بنانا یوں ہے۔ جیسے ابرہہ نے منعاء میں ایک جعلی "حرم کعبہ" بنا ڈالا تھا۔ جو بہر حال برا ہے پرہیز اچھا ہے۔ واللہ اعلم

انسان کو بعض مقامات سے بہت گہرا قلبی تعلق ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ خلو عقیدت میں ان مقامات سے جو کچھ ان میں دیا بطور "عقیدت" لے آتے ہیں۔ تاہم ہوسکتا ہے۔ کہ اس قسم کے بعض حضرات کی دنیا ہی کچھ اور ہوتی ہو جو مسئلہ کی بات نہ ہو بلکہ وہ اپنے قلبی سکون کیلئے چارہ سازی کرتے ہوں۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچ جاتے ہوں۔ تو حرم میں یقیناً عرصہ رہتے ہیں۔ پیشاب پاخانہ کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ جو انتہائی دشوار بات ہے۔ حضرت زجاج کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ حرم میں پاخانہ نہیں کیا کرتے تھے۔

مگر ان تبرکات کی بھر مار کرنے والوں کے "عشق" کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر سب کچھ کرتے ہیں۔ اور حج ادا کرنے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی بھی کرتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی کیسے کرے کہ یہ ٹھوس عقیدت بلا جذبات پر مبنی بات ہے۔

جواب۔ نمبر 6

ابن ابی حاتم وغیرہ نے مسند احمد وغیرہ سے کچھ اس قسم کی روایات نقل کیں۔ ان کی روایاتی حیثیت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ حضرت امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات حضرت ذبیح کی جگہ ینڈھا قربان ہوا تھا باطل ہے۔

واما الاحتجاج بانہ فدي الذبیح بلبش فباطل وما صح ذلک قط

(المحلی ص430ج 7)

بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں معروف معنی میں ''اضحیہ'' جیسی قربانی والی بات ہی نہیں تھی۔ تو اس سے اس کے تلا بے ملانے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ (محلی ص437ج 7)

کبش ابراہیمی (منڈھے) والے واقعہ کو وہ ''کاذب'' کہتے ہیں۔

لا بالظن الکاذب فی کبش الذبیح (ایضا)

ترمذی کی ایک روایت میں ان ''ضحایا'' (قربانیوں) کو سنت ابراہیمی کہا گیا ہے۔

یا رسول اللہ ماہذہ الاضاحی؟ قال سنۃ ابیکم ابراہیم (ترمذی عن زید)

لہذا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں ان کا کوئی مذکور نہیں تھا۔ تو کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔؟ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابن حزم کی اسناد کی کوئی اہمیت نہ رہتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ روایت بالکل بیکار ہے۔ اس کے دوراوی بس سبحان اللہ میں۔ 1۔ ابو معاز حائز المجاشعی۔ امام ابو حاتم اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ اس کی حدیث صحیح نہیں امام ذہبی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے روایت صرف سلام بن مسکینی نے کی ہے۔ (میزان) سلام قدری تھے۔ (میزان)

دوسرے راوی ابو داؤد و نفیعبن الحارث الاعمی صدانی ہیں۔ امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں۔ یہ شخص حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (خلاصہ تہذیب الکمال) امام عقیلی فرماتے ہیں غالی رافضی تھا۔ امام نسائی اور امام دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔ امام ابو زرعہ کا ارشاد ہے۔ کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ شخص واعظ بھی تھا۔ اور بھکاری بھی تھا۔ حضرتگ قتادہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ (میزان ص272ج 4)

یہ حدیث ضعیف المخرج اور اس کی اسناد بعد ہی ہے۔

فالحدیث ضعیف المخرج اسنادو رواہ کما قال المنذري (الرواۃ ص280ج 1)

اس لئے ینڈھے کی قربانی والی بات صرف کہانی ہے۔ اور وہ بھی اسرائیلی دراصل یہ ساری خرابی فذبنہ بذبح عظیمیں ذبیحۃ کی تعین کرنے کی زمہ داری لینے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ کتاب وسنت جب یہ پردہ نہیں اُٹھاتے تو پھر دوسری سب ٹامک ٹوئیاں والی بات ہے۔ جس طرح حضرت سارہ کو بہن کہنے کے اسباب متعین کرنے کی زمہ داری لینے کی وجہ سے بخاری کی روایت کا حال ہوا ہے۔ وہی یہاں ہو رہا ہے۔ بہر حال وہ ''ذبح عظیم ''صرف ینڈھا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ایک عام شے ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کچھ اور حقیقت ہے۔ جو ذبیح کا عظیم بدل قرار پائی ہے۔ اور وہ کیا ہے۔؟ کچھ پتہ نہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ اس لئے آپ بھی خاموش رہیں۔ اسرائیلی روایات کی تصدیق اور تکذیب دونوں ممنوع ہیں۔ (مشکواۃ)

جس زمہ داری کے بوجھ سے آپ کو آزاد رکھا گیا ہے آپ اس کو لینے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ زمہ داری بہت بڑی آزمائش ہے۔

جواب۔ نمبر 7

ان کی قربانیوں کا مستقبل نہیں رہا۔ کیونکہ

اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ (پارہ نمبر 7 الانعام ع20)

ترجمہ۔ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا منا سب اللہ کے لئے ہے۔ جو رب ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں۔''

قربانی کی بنیادی اساس ہے۔ جس سے زندگی مالا مال ہونی چاہیے۔ خاص یہ کہ ذبح کے وقت مندرجہ زیل اعلان اور دعا کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ قربانی دینے والا اس وقت بالکل یکسو ہو۔ صرف خدا کی طرف اس کا رخ ہو۔ جہاں شرک وبدعت کا کوئی شائبہ نہ ہو دعا یہ ہے۔

انی وجهت وجهی للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين (ابن ماجہ وغیرہ)

سلف اہل تفسیر تقریباً''ذبح عظیم''کی اس تفسیر پر نظر آتے ہیں۔ کہ وہ مینڈھا تھا جس روایت جامع ترمذی کی فاضل مفتی نے تصنیف فرمائی ہے۔ وہ اس قسم کی دوسری روایات کے مفاہیم کی تایند سے اس ''اجماع کی ''سنہ'' کی حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔ رہے ہمارے امام حافظ ابن حزمؒ تو انھوں نے جس بناء پر محمولہ مرفوع روایت کو''باطل''ٹھرایا ہے۔ وہ اپنی جگہ شاید درست ہو۔ وہ ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں۔ جو مینڈھے کو اونٹ اور گائے کی قربانی سے اس طرح کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے افضل قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن حزم کا وقف یہ ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی افضل ہے۔

لہذا نفس اتنی بات بہر حال صحیح ہے۔ کہ ''ذبح عظیم'' سے مراد مینڈھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کو''فدیہ اسماعیل''کے طور پر مینڈھا ہی عطا فرمایا گیا تھا۔ باقی تفصیلات کے بارے میں جو چاہیں رائے رکھیے۔ (ع۔ ح)

میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور صرف اس کا ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ سات حصہ داروں میں سے اگرچھ نصرانی ہوں یا صرف ایک شخص گوشت کی نیت رکھتا ہو تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

وان كان شريك الستة نصرانيا ورجلا يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم

(ہدایہ ص 249 ج 4 کتاب الضحایا)

نصرانیت شریک کی واضح مثال ہے۔ اور ''گوشت خور''اور جو لوگ سراپا بدعتی یا مشرک اور نرے دنیا دار ہوں۔ ان کی قربانی کے سلسلے میں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے۔

خود حضور ﷺ نے بھی اپنی امت کی طرف سے جو قربانی دی تھی۔ اس میں بھی یہ شرط رکھی۔

من شهد لک بالتوحید (مسند احمد)

کہ جو موحد ہو۔ معلوم ہوا جو موحد اور بندہ حیف نہیں بلکہ ہرجائی ہے اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں دل بہلانا یا خوش فہمی کی اور بات ہے۔ بہر حال انھیں سب سے پہلے بدعات اور شرکیہ رسومات سے توبہ کرنا چاہیے۔ ورنہ قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار الاعتصام سن 1974ء)

هٰذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد 13 ص 112-125

محدث فتویٰ